شوق تھا۔

فدوی میاں :۔ اے تو فرما دیجیے نا۔ تاکہ اس کی ابھی سے فکر کی جائے۔

مرزا صاحب کے پاس اتفاق سے روپیہ نہ تھا۔ ان کو یہ خیال ہوا کہ ابھی کہنا کیا ضرور ہے۔ پہلے روپے کی فکر ہو جائے تو دیکھا جائے گا۔

مرزا صاحب :۔ عرض کر دوں گا۔

فدوی میاں :۔ تو آپ فرماتے کیوں نہیں اور چارپائیوں کی ضرورت ہو تو بھجوا دی جائیں۔ چینی کے برتن، پتیلیاں، لوٹے، گھڑے، مٹکے۔

غرض کہ جس طرح لڑکے پہیلی بجھواتے ہیں، یہ ایک ایک چیز کا نام لیے جاتے تھے اور مرزا صاحب نہیں نہیں کہے جاتے تھے۔ ان کی سخاوت اور سفاہت پر اگر کوئی اور ہوتا تو کھل کھلا کے ہنس دیتا۔ مگر مرزا بہت ہی مہذب اور متین آدمی تھے۔ اس پر بھی متبسم ہو گئے۔ مرزا کے تبسم سے فدوی میاں بغوائے ع فکرِ ہر کس بقدرِ ہمت اوست۔ کچھ اور ہی سمجھے تھے۔ مزاج کے سادے تھے۔ بے تکلف فرمانے لگے۔

فدوی میاں :۔ اچھا تو اس میں تکلف کیا ہے۔ کوئی پتر یا بلا دی جائے۔ کیوں کہ اس میں ہرج کیا ہے۔ آپ نوجوان آدمی ہیں اور پھر لکھنؤ کے رہنے والے۔

مرزا کے کان اس قسم کی گفتگو سے آشنا نہ تھے۔ یہ ایک خشک آدمی تھے۔

مرزا صاحب :۔ جناب آپ نے میرے اخلاق کا غلط اندازہ کیا۔ میں اس قسم کے مذاق کا آدمی نہیں۔ آپ کی خواہ مخواہ عنایتوں کا میں مجبور ممنون ہوں۔ آئندہ مجھ کو ایسے مذاق سے معاف رکھیے گا۔

فدوی میاں :۔ (بظاہر جھینپ کے اور مجلت زدہ صورت بنا کے دو تین طمانچے زور زور سے اپنے گالوں پر لگا کے اور دونوں کان مروڑ کے) توبہ! توبہ! خطا ہوئی۔ معاف کیجیے گا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ آپ مولوی آدمی ہیں۔

مرزا صاحب :۔ نہیں۔ آپ کا کچھ قصور نہیں۔ یہ اس زمانے کی تہذیب کا قصور ہے۔ شاید آپ کو اسی طرح کے لوگوں سے زیادہ ملنے کا اتفاق ہوا ہوگا جو بیہودہ دل لگی، مذاق یا چوسر، گنجفہ وغیرہ میں اپنے اوقات کو ضائع کیا کرتے ہیں۔ اگر میں مولوی نہیں مگر طالب علم ضرور ہوں۔

مرزا اپنی نیک نفسی سے فدوی میاں کی اس بات کو دل لگی سمجھے تھے۔ حالانکہ فدوی میاں کا مافی الضمیر حقیقت کا مشعر تھا نہ مجاز کا۔ کیوں کہ آپ کی ذات والا صفات سے یہ فیض اکثر ملازم پیشہ لوگوں کو پہنچتا رہتا تھا۔ اتنا ہم اپنی نیک نیتی سے کہہ سکتے ہیں کہ اس میں کوئی منفعت ذاتی از قسم زر فدوی میاں کو نہ تھی بلکہ ان کا مذاقِ طبیعت اسی قسم کا واقع ہوا تھا۔ ضلع کی کونسی پتر یا ایسی تھی جو آپ کی ممنونِ منت اور مطیعِ فرمان نہ ہو۔ ایک تو اس لیے کہ زمانۂ ثروت میں آپ نے بالتخصیص اس فرقے کے ساتھ بہت سلوک کیا تھا۔ اکثر باغات اور آراضی آپ کی عطیہ رنڈیوں کے قبضے میں موجود تھیں۔ چار ہی دن کا ذکر ہے۔ چھوٹے صاحبزادے چھٹن میاں کی تقریب ختنہ میں دس بیگہ زمین بی وفاتن کو، بیس درخت آم کے مع آراضی بی رسولن کو دیے تھے۔ اسی تقریب میں موضع سہجن پور رہن ہوا تھا۔ یہ سب اوصاف فدوی میاں کے مرزا صاحب کو معلوم ہوتے رہے اور اسی قدر تنفران کے اخلاق سے بڑھتا گیا۔

اگرچہ گھوڑے کی خرید میں فدوی میاں کی رائے شریک رہی اور اسی طرح اور معاملات میں خواہی نخواہی ان کا دخل رہا۔ لیکن مرزا ہر امر میں حتی الامکان ان سے دور بھاگتے تھے۔ لیکن فدوی میاں کی وضعداری سے بعید تھا کہ مرزا صاحب کے پاس جانا ترک کرتے۔ بلکہ ان کو ایک طرح کی محبت مرزا سے ہو گئی تھی۔ اور کچھ ایسا اخلاقی دباؤ پڑ گیا تھا کہ ان سے کسی قدر ڈرتے تھے۔

فدوی میاں کو کئی مرتبہ مرزا کے سامنے اپنے منہ پر طمانچے مارنے اور کان مروڑنے کا اتفاق ہوا۔ اس لیے کہ یہ موقع پر بول اٹھتے تھے مثلاً فدوی میاں کو یہ مسئلہ مرزا کی ذات سے تحقیق ہوا کہ وہ چیز جو عموماً بالائی آمدنی کہلاتی ہے، اس کا لینا بالکل حرام ہے۔

فدوی میاں صوم وصلوٰۃ کی پابندی اور ناجائز کھانے پینے کی چیزوں سے اجتناب کرنے کو مولویت اور زہد و ورع خیال کرتے تھے۔ ناجائز طریقوں کے اکتسابِ منفعت کرنے کو یہ گناہ ہی نہ جانتے تھے بلکہ حرام سمجھتے تھے۔

مرزا عابد حسین سے ان کو یہ بھی معلوم ہوا کہ شادی بیاہ میں ناچ رنگ یا عید بقر عید مجرا دیکھنا یا بغیر مجرا دیکھے پتریوں کو انعام دینا گناہ ہے۔ فدوی میاں کو مرزا عابد حسین کی صحبت سے اکثر ایسے امور معلوم ہوئے جن کو یہ نیکی سمجھتے تھے مگر درحقیقت وہ بدی تھے۔ رفتہ رفتہ فدوی میاں کو مرزا صاحب سے وہ اعتقاد ہو گیا جو مقلد کو اپنے مجتہد سے یا مرید کو اپنے پیر سے ہونا چاہیے۔ مگر فدوی میاں کی عادتیں اس حد تک خراب ہو چکی تھیں کہ ان کی اصلاح محال تھی۔ اہلِ عملہ کی خوشامدِ بے جا، سعی وسفارش، جھوٹ بولنا، جھوٹی قسمیں کھانا، فحش اور بے تکے مذاق، راتوں کو رنڈیوں کا دربار، جھوٹے مقدموں

کی اطاعت، بدمعاشوں کی حمایت اور اسی قسم کے لاکھوں معائب ان میں موجود تھے مگر ان سب معائب کے ساتھ ایک وصف بھی تھا وہ یہ کہ خاندانی شرافتِ نفس کی وجہ سے طمع ان میں نہ تھی۔ اگرچہ اس وصف کے ساتھ ایک عیب بھی تھا یعنی اسراف جس کو لوگ جہالت سے اولوالعزمی کہتے ہیں۔ مرزا صاحب ان کے اس وصف کو پہچان گئے تھے۔ مرزا کا خیال تھا کہ ان کی یہ عادتیں کسی حد تک ترک ہو سکتی ہیں بشرطیکہ کسی خاص اخلاقی قوت سے ان کے نفس پر اثر ڈالا جائے۔ مرزا نے تجویز کیا کہ مذہبی جوش اگر آپ کی طبیعت میں پیدا کر دیا جائے تو ممکن ہے کہ ان کی اولوالعزمی ان کو اس طرف متوجہ کر دے۔

فدوی میاں کے دو لڑکے تھے ایک نثار علی جس کا سن چودہ برس کا۔ دوسرا احمد حسن جس کا سن سات آٹھ برس کا تھا۔

نثار علی آوارگی کی حد تک پہنچ گیا مگر ایک خاص صفت جو قصبات اور دیہات کے لڑکوں میں پائی جاتی ہے یعنی شرم۔ اگرچہ وہ حدِ اعتدال سے کسی قدر زیادہ ہوتی ہے لیکن وہی اُن کی درستی کا باعث ہو گئی۔

فدوی میاں اپنے لڑکوں کی تعلیم سے غافل نہ تھے۔ ایک مولوی صاحب برسوں سے دروازے پر نوکر تھے مگر لڑکا گلستاں کا باب اوّل پڑھتا تھا۔ کئی سال ہو چکے تھے مگر اس کے ختم ہونے کی نوبت نہ آتی تھی۔ اور چھوٹا بغدادی قاعدہ سامنے لیے بیٹھا رہتا تھا۔ مرزا صاحب نے رفتہ رفتہ فدوی میاں کے معاملاتِ خانگی میں دخل دینا شروع کیا اور جس قدر مرزا صاحب ان کے معاملات میں دخیل ہوتے جاتے تھے، فدوی میاں اپنی ذمہ داریاں مرزا کے سپرد کرتے جاتے تھے۔ نوبت بہ ایں جا رسید کہ

فدوی میاں کا ہر کام مرزا نے اپنے ذمہ لے لیا۔ فدوی میاں کی وہ اس طرح محافظت اور نگرانی کرتے تھے جو نابالغ یا مجنون کے ولی کو کرنا چاہیے اور فدوی میاں روز اول سے کچھ ایسا دباؤ مرزا صاحب کا مان گئے تھے کہ بغیر ان کے صوابدید کے کوئی کام نہ ہوتا تھا۔ جس قدر مرزا صاحب فدوی میاں پر توجہ کرتے جاتے تھے۔ شیورتن کو مرزا صاحب سے خوف پیدا ہوتا جاتا تھا۔ مرزا صاحب کو فدوی میاں اور شیورتن کے معاملات میں بھی کچھ گنجلک اور غبن معلوم ہوئی اور درحقیقت ایسا ہی تھا۔ مرزا صاحب خود فرماتے ہیں کہ یہ راز مجھ پر شیورتن کی چشم دابر دسے ظاہر ہوگیا۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے شیورتن کی نگاہیں فدوی میاں کے سامنے جھینپتی سی معلوم ہوتی تھیں۔ اس سے مجھے معلوم ہوگیا کہ اس نے کسی قسم کی چالاکی ان کے معاملات میں ضرور کی ہے اور وہ فدوی میاں سے کسی قدر دبتا بھی تھا۔ اس سے اور بھی یقین ہوگیا تھا کہ ابھی تک اس کی چالاکی کا تدارک فدوی میاں کے اختیار میں ہے۔

فدوی میاں کا اہلِ عملہ کے پاس دوڑ دوڑ کے جانا۔ اس سے بھی مجھے ایک قسم کا شبہ سا پیدا ہوتا تھا کہ شاید فدوی میاں ان معاملات کے تدارک کی فکر میں ہیں۔ مگر ان کی بے پروائی نے اس شبہہ کو دفع کر دیا تھا۔

مرزا صاحب فدوی میاں کو خفیف العقل سمجھتے تھے۔ اس لیے اپنے خیالات کو ان سے ظاہر کرنے میں تامل تھا۔ اس لیے کہ وہ شاید اس راز کو ظاہر کر دیں کہ مرزا کو ان کے معاملات کی درستی کی غیر معمولی فکر ہے۔ ان امور پر نظر کر کے مرزا نے خفیہ تحقیقات کرنا شروع کی شیورتن

ایک بڈھا آدمی تھا۔ وہ فدوی میاں کے والد کے زمانے میں ان کے کسی موضع کا ضلع دار تھا۔ جس زمانے میں فدوی میاں کے والد شیخ قربان محمد صاحب نے انتقال کیا، فدوی میاں جن کا اصلی نام شیخ فدا علی تھا، بہت ہی کم سن تھے۔ تولیت جائداد کی ان کے ماموں شیخ احمد کے سپرد ہوئی تھی۔ شیخ احمد ایک مشہور جعلیہ تھا۔ شیخ احمد کی تولیت کے زمانے میں بھی شیورتن کارکن رہا۔ بعد تحقیقات کے معلوم ہوا کہ شیخ احمد اور شیورتن کی سازش سے اس معاملے میں کوئی جعل ہوا ہے۔ مگر یہ پتہ نہ لگتا تھا کہ کیونکر اور کیا جعل ہوا ہے۔ مرزا کا خود بیان ہے کہ اس مقدمہ کی تحقیقات کا مجھے ایسا شوق ہو گیا تھا کہ راتوں کو نیند نہ آتی تھی۔ ذرا ذرا سی باتوں کو علمی مشاہدات کے طور پر جانچتا اور پرتالتا تھا۔ شیورتن کے تمام حرکات و سکنات پر شب و روز میری نظر رہتی تھی۔ اگرچہ اس سے مہینے میں شاید ہی دو ایک مرتبہ میری اس کی ملاقات ہوتی تھی وہ بھی چند منٹ کے لیے مگر میرا خیال ہر وقت اس کے ساتھ رہتا تھا۔ فدوی میاں اگرچہ بہت ہی سفیہ اور خفیف الحرکات آدمی تھے مگر اپنی ابائی جائداد کو اپنے والد کے ایک ادنیٰ ملازم کے قبضے میں دیکھ کر ایک قسم کی حسرت جو ان کے بشرے پر ظاہر ہوتی تھی اس پر مجھے کمال تاسف ہوتا تھا اور جب سے میں یہ سمجھ گیا تھا کہ اس مقدمے میں شیورتن نے یقیناً جعل کیا ہے۔ اس وقت سے میرا بس نہ تھا کہ اس کو علاقے سے بے دخل کر کے فدوی میاں کو اس کی جگہ قابض کرا دوں مگر میرا کوئی اختیار نہ تھا۔ ظاہرا یہ امر محال معلوم ہوتا تھا اور سب سے زیادہ اہم ان خیالات کی رازداری تھی۔ اس لیے کہ افشائے راز میں ناکامیابی کا اندیشہ ایک طرف شماتت کا خیال دوسری طرف دامن گیر تھا۔ آخر بڑی مشکل سے بعض واقعات کا پتہ لگا۔ پھر تو پیچ در پیچ مشکلیں آسان ہونے لگیں اور

برسوں کی الجھی ہوئی گتھیاں سلجھ گئیں۔

معلوم ہوا کہ شیخ قربان علی فدوی میاں کے والد نے لکھنؤ میں وفات پائی تھی۔ سبب وفات مرضِ وبائی مشہور تھا۔ شیخ فدا علی کی والدہ اپنے شوہر کے سامنے مر چکی تھیں۔ شیخ احمد ان کا سوتیلا بھائی تھا۔

شیخ قربان علی کے لکھنؤ جانے کا سبب ایک مقدمۂ اپیل تھا۔ مقدمہ کی روداد یہ تھی کہ کسی راجپوت مسمّی ماندھاتا نے بندوبست کے زمانے میں شیخ قربان علی کے علاقے پر دعویٰ کیا تھا۔ سرسری مقدمہ حاکم بندوبست نے خارج کر دیا۔ اس نے نمبری نالش کی۔ وہ بھی خارج ہوئی۔ پھر اس نے اپیل کی۔ اپیل بھی خارج ہوئی۔ پھر اس نے اپیل ثانی کی۔ یہاں وہ تمام لوگوں کے خلافِ امید جیت گیا۔ جس دن عدالتِ العالیہ سے مقدمہ اس کے حق میں فیصل ہوا۔ وہی دن شیخ قربان علی کی وفات کا تھا بلکہ اکثر لوگوں کو یہ گمان ہوا کہ شیخ خودکشی کر کے مر گئے۔ اپیل سے جیتنے کے بعد چاہیے تھا کہ قابضِ جائیداد ماندھاتا یا اس کے وارث ہوتے مگر بخلاف اس کے قابضِ جائیداد شیخ احمد اور شیورتن ہوئے۔ شیخ احمد لاوارث مر گئے۔ اس کے بعد شیورتن بلا مزاحمت احدے اور بے مشارکت غیرے تمام علاقے پر قابض اور متصرف رہا۔ فدوی میاں کے ساتھ اس کا سلوک اس طرح کا ہے جیسے کسی نمک حلال قدیم نوکر کو جو کسی وقت میں ملازم تھا، اپنے آقازادہ کے ساتھ ہونا چاہیے۔ جواب مفلس ہو مگر اس سلوک میں ظاہرداری کسی نہ کسی طرح کھل جاتی تھی۔ جائداد پدری سے ایک بسوہ زمین شیخ فدا علی کو نہیں ملی۔ موضع سہجن پور جس کا نمبر اب تک ان کے پاس ہے اور جو شیورتن کے پاس کئی سال پیشتر رہن ہو چکا تھا، وہ موضع ان کی والدہ کا تھا، کل جائداد کا مالک بالفعل شیورتن تھا جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔

حتیٰ کہ مکانات بھی اسی کے نام رہن ہیں۔ مگر وہ بطور ماہیتاج شیخ فدا علی کو گذارہ دیتا ہے اور موضع سہجن پور کے آسامیوں سے جو کچھ چھین جھپٹ کے وصول ہو جاتا تھا وہ گویا بالائی آمدنی ہمارے عنایت فرما شیخ فدا علی صاحب کی ہے۔ مرزا کو یہ واقعات جو اوپر بیان کیے کئی برس کی تحقیق کے بعد معلوم ہوئے۔ یہ تو ان پر ظاہر ہو گیا تھا کہ اس معاملہ میں کسی قسم کی چالاکی ہوئی ہے۔ رہا یہ امر کہ وہ قابلِ تدارک ہے یا نہیں۔ اس کا فیصلہ تفصیلی حالات کے معلوم ہونے کے بعد ہو سکتا ہے۔ منہ سے کوئی بات نکالنا ایک تو اس مقدمہ کے لیے مُضر تھا جس کا سبب اوپر بیان ہو چکا ہے اور مرزا کا استقلال بھی اس کا مقتضی تھا کہ جب تک کوئی صورت یقینی کامیابی کی نہ پیدا ہو ایسی باتوں کا منہ سے نکالنا سفاہت پر محمول کیا جائے گا۔ ان کا یہ منصوبہ تھا کہ کیا خوب ہو اگر میں اس معاملے کا پورا پتہ لگا کے اور تدارک کی کافی تدبیر کر کے اُس کو زبان سے نکالوں۔ پانچ برس تک اس معاملے سے مرزا کو تعلق خاطر رہا۔ فدوی میاں تورو زر ہی مرزا کے پاس موجود رہتے تھے اور شیورتن بھی کبھی کبھی آنکلتا تھا مگر دونوں کو ان کے کسی اشارے کنائے سے یہ نہ ثابت ہوا کہ وہ ان کے حق میں کیا کرنے والے ہیں؟ اس اثنار میں کئی بار ان کو لکھنؤ آنے کا اتفاق ہوا۔ جوڈیشل کے محافظ خانے میں دن بھر گذر گیا۔ کل مقدمے کی روداد سے انھوں نے واقفیت حاصل کر لی۔

جب تحقیقات کما حقہٗ کر چکے تو اس راز کو ایک خاص مطلب کے لیے راقم الحروف (مرزا رسوا) پر ظاہر کیا اور بعض امور مجھ کو تعلیم کیے جس کا حال ناظرین کو آئندہ بیان سے معلوم ہو جائے گا۔ اس مطلب کے لیے مجھ کو مرزا کے پاس ضلع جانا پڑا۔ اتوار کا دن تھا۔ مرزا دیوان خانہ (بیٹھک) میں

تشریف رکھتے ہیں۔ فدوی میاں اور مجھ سے مذاق کی باتیں ہو رہی ہیں کہ مرزا نے اپنے اردلی کے چپراسی کو بلا کے کہا۔ شیورتن کو بلا لاؤ۔ شاید اس سے پہلے مرزا نے کسی موقع پر شیورتن کو یاد نہ کیا ہوگا۔ میں اس معاملے سے واقف تھا۔ مگر فدوی میاں کو البتہ تعجب ہوا ہوگا کہ آج شیورتن خلافِ معمول کیوں بلایا جاتا ہے۔

شیورتن حسب الطلب سامنے آکھڑا ہوا۔ مرزا نے بیٹھنے کا اشارہ کیا، وہ بیٹھ گیا۔ مرزا نے اس سے چند معمولی غیر ضروری باتیں کر کے مجھ سے مخاطب ہو کے پوچھا۔

مرزا :۔ ہاں تو ولایت علی خاں مر گیا؟

میں نہیں بیان کر سکتا کہ اس کا نام سننے کے بعد شیورتن کے دل پر کیا گذری اور اس کے چشم و آبرو سے کس قسم کے آثار پائے گئے۔

میں :۔ جی ہاں مر گیا۔ اس کو مرے ہوئے دو مہینے ہوئے ہوں گے۔

مرزا :۔ آپ جانتے ہیں یہ کون شخص تھا؟

رسوا :۔ میں خوب جانتا ہوں کہ کٹاری ٹولے کے متصل وہ گلی جو کالکوں کی طرف جاتی ہے، نیم کے درخت کے سامنے۔

مرزا :۔ آپ خوب جانتے ہوں گے مگر آپ نے سنا ہوگا کہ کس بری گت سے مرا ہے۔

رسوا :۔ جی ہاں! بندگانِ خدا کی حق تلفی کا یہی انجام ہوتا ہے۔

مرزا :۔ سنتے ہیں لاوارث تھا۔ مرنے کے بعد کل اسباب پولیس میں اٹھ گیا ہوگا اور یقین ہے کہ پولیس ہی نے اسے دفن کیا ہو۔

رسوا :۔ جی ہاں! یہی ہوا اور ہونا ہی کیا تھا۔

مرزا :۔ اور جو تکیہ اس کے سرہانے رہتا تھا ؟
رسوا :۔ اس کا حال پھر عرض کروں گا۔

اس گفتگو کے بعد ہم اور مرزا ادھر ادھر کا ذکر کرنے لگے۔ شیورتن کے چہرے پر مُردنی چھائی ہوئی تھی۔ وہ ابھی اٹھنے بھی نہ پایا تھا کہ مرزا نے گاڑی کسوانے کا حکم دیا۔ مرزا صاحب اور میں دونوں اٹھ کھڑے ہوئے۔ مرزا صاحب نے فدوی میاں کا ہاتھ پکڑ لیا۔ گاڑی پر سوار ہوئے۔ راستے میں سوائے اس جملہ کے جو مجھ سے مخاطب ہو کے کہا تھا۔

" کیوں دیکھا آپ نے۔ ہم نہ کہتے تھے "جس کا جواب میں نے یہ عرض کیا تھا۔

"جی ہاں ! آپ کا خیال بہت صحیح تھا" اور کوئی گفتگو اس مقدمہ کی نہیں ہوئی۔ دوسرے دن معلوم ہوا کہ شیورتن رات ہی کو لکھنؤ گیا۔

اس واقعے سے ہمارے خیالات اور پختہ ہو گئے۔ کئی دن کے بعد لکھنؤ سے واپس آیا۔

مرزا کا موکل شنکرم ، میں شیورتن کے ساتھ ساتھ تھا۔ شنکرم لکھنؤ پہنچا۔ موکل ساتھ تھا۔ شیورتن امین آباد کی سرا میں اترا۔ وہاں تھوڑی دیر ٹھہر کے چوک کی طرف روانہ ہوا۔ گول دروازے کے قریب بان والی گلی کی طرف سے ولایت علی خاں کے مکان پر پہنچا۔ (جس دکان میں ولایت علی خاں رہتا تھا وہاں اب شیوالہ بن گیا ہے) شیورتن وہاں کے دکان داروں سے کچھ پتہ دریافت کر کے اس چھتہ کی طرف چلا جہاں تیرہ و تاریک گلیاں بہت دور تک چلی گئی ہیں۔ اس کے بعد ایک نالہ ملتا ہے پھر ایک ٹیکرا سا ملا، اس پر گیا۔ وہاں ایک شخص کو آواز دی وہ گھر سے نکلا۔ دونوں میں کچھ باتیں ہوئیں۔ ولایت علی خاں کو مرے ہوئے دوسرا مہینہ تھا۔ یہ ٹھیک پولیس کی

معرفت دفن ہوا تھا مگر تکیہ کا پتہ نہ ملا۔ اس کے بعد موکل اور شیورتن دونوں امین آباد کی سرا میں آئے۔ اس نے حلوائی کی دکان سے پوریاں لے کے کھائیں۔ موکل نے بھی اسی حلوائی سے پوریاں لیں۔ اس کے بعد شیورتن نظیر آباد کی طرف چلا۔ اس کے بعد اس نے دو دن تک کچہریوں کی خاک چھانی۔ آخر مایوس ہو کر ضلع کو واپس چلا۔ موکل اُس سے ایک دن پہلے ہمارے پاس پہنچ گیا تھا۔

وہ تکیہ جس میں شیورتن کی جان تھی۔ ہمارے قبضے میں کئی مہینے پیشتر آچکا تھا۔ اس میں چند کاغذات تھے اور وہ کاغذات سب فدوی میاں کے علاقے کے متعلق تھے۔

اب ہم اس جعل سازی کو کھولے دیتے ہیں۔ اصل واقعہ یہ ہوا کہ ماندھاتا عدالت العالیہ سے مقدمہ ہار گیا تھا جیسی کہ توقع تھی مگر اسی کے دوسرے یا تیسرے دن شیخ قربان علی نے بعارضۂ فصلی بخار انتقال کیا جیسا کہ ظاہراً ثابت ہوتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ شیورتن اور شیخ احمدؒ جو شیخ مرحوم کے ہمراہ تھے۔ ان دونوں نے سازش کر کے شیخ کو کچھ کھلا پلا دیا ہو۔ مگر اس قدر عرصے کی بات تھی، اس کا ثبوت دشوار بلکہ محال ہے۔ علاقے کے باب میں یہ چالاکی کی گئی کہ اصل فیصلہ محافظ خانے سے اڑا کے اور بجائے اس کے ایک فیصلہ بحق ماندھاتا ولایت علی خاں کی معرفت بنوا لیا گیا۔ پھر ماندھاتا اور شیخ احمدؒ اور شیورتن میں کچھ ایسا من سمجھوتہ ہو گیا کہ ماندھاتا کچھ رقم معتدبہ لے کے علیحدہ ہو گیا اور اس سے ایک رہن نامہ بنام شیورتن ہو گیا۔ شیخ احمد کے نام رہن نامہ ہوتا مگر اس کی حیثیت اس لائق نہ تھی۔ اور شیورتن، شیخ قربان احمد کے زمانے ہی میں لین دین کرتا تھا اور بڑا روپیہ والا مشہور

تھا۔ اصل فیصلۂ عدالت جو ولایت علی خاں کو بطور نمونے کے دیا گیا تھا وہ اس نے دبا رکھا اور اس کے ذریعے سے وہ شیورتن کو وقتاً فوقتاً دبا کر کچھ لے لیا کرتا تھا۔

آخر میں ولایت علی خاں نابینا ہو گیا تھا۔ جب وہ خرچ سے تنگ ہوتا تو ایک خط دباؤ ڈالنے کے لیے شیورتن کو لکھ بھیجتا۔ وہ کچھ نہ کچھ بھیج دیا کرتا تھا مگر قلیل مقدار۔ اس لیے کہ شیورتن خوب جانتا تھا کہ ولایت علی وہ کاغذات پولیس یا عدالت میں داخل نہیں کر سکتا اس لیے کہ وہ خود بھی مجرم ہے مگر پھر بھی احتیاطاً کچھ دے نکلتا تھا۔ جب مرزا اس مقدمے کی تحقیقات میں معروف ہوئے۔ ایک دن شیورتن کے نام ایک پوسٹ کارڈ مرزا کی ڈاک کے ساتھ چلا آیا اس پوسٹ کارڈ میں اگرچہ کوئی امر تفصیلی طور سے نہ لکھا تھا مگر ولایت علی خاں کو مرزا اچھی طرح جانتے تھے۔ ولایت علی خاں کا نام پوسٹ کارڈ پر دیکھتے ہی گویا تمام مقدمہ کا پتہ چل گیا۔ پوسٹ کارڈ کا مضمون یہ تھا۔

"شیورتن کو معلوم ہو کہ ہمارا آخری وقت ہے۔ کچھ ہماری مدد کرنا چاہیے۔ کاغذات ہم سے لے لو اور جو کچھ تم سے ہو سکے ہم کو دے دینا۔ ورنہ ہمارا کیا کرتا۔"

اس پوسٹ کارڈ کو مرزا نے دبا رکھا اور ایک موکل شیورتن کی طرف سے ولایت علی خاں کے پاس گیا اور پچاس روپے دے کے وہ کاغذات اس سے حاصل کر لیے۔ اس کے چند ہی روز بعد ولایت علی داخل جہنم ہوا۔ واقعی بہت بری طرح سے مرا۔ جیسے بے ایمانوں کا یہی انجام ہونا چاہیے۔

ان واقعات کے مفصل ذکر کے بعد اب اس کے کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ شیورتن کس قدر سہولت کے ساتھ تمام جائداد سے دست بردار ہونے پر راضی ہو گیا ہوگا۔ باہمی فیصلہ کر لینا مناسب وقت تھا۔ اس

لیے کہ اگرچہ جبل کا ثبوت قطعی ہاتھ آگیا تھا اور شیورتن واقعی مجرم تھا۔ اس لیے وہ بہت خائف تھا۔ مگر بہت عرصے کی بات تھی اس لیے مرزا کی احتیاط اسی کی مقتضی ہوئی کہ یہ مقدمہ عدالت تک نہ جائے اور شیورتن بھی یہی چاہتا تھا۔ لہٰذا شیورتن نے کل جائداد کا بیع نامہ فدوی میاں کے نام کر کے صرف ایک موضع اپنے نام چھڑوالیا اور اس فیصلے کے چند ہی روز کے بعد تیرتھ کو چلا گیا جہاں سے اس وقت تک واپس نہیں آیا۔

اب فدوی میاں کا حال نہ پوچھیے، پورے رئیس بن گئے۔ مگر مرزا کو ابھی تک اسی طرح مانے جاتے ہیں اور کوئی کام بغیر ان کی صلاح و مشورے کے نہیں کرتے۔

مرزا عابد حسین کا طریقۂ زندگی بالکل انوکھا ہے۔ ہم نے کسی شخص کو جو اوسط درجہ کا تمول رکھتا ہو، اتنی محنت کرتے نہیں دیکھا۔ محنت کرنے پر اس قدر حریص کوئی ہندوستانی ہماری نظر سے نہیں گزرا۔ مرزا صاحب روز صبح کو چار بجے گرمی، برسات اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ اس وقت سے باغ میں نکل جاتے ہیں۔ وہیں نماز پڑھتے ہیں طلوع آفتاب کے ساتھ ہی پودوں کی دیکھ بھال شروع ہو جاتی ہے۔ قبل اس کے کہ ملازمین اور مزدور آئیں، ہر ایک کام تجویز ہو جاتا ہے۔ یہ لوگ آتے کے ساتھ کام شروع کر دیتے ہیں۔ اکثر کاموں میں مرزا صاحب خود مدد دیتے جاتے ہیں۔ کھرپی یا پھاوڑے کو خود اٹھا کر کام میں مصروف ہو جانا اور اس بے تکلفی کے ساتھ کہ گویا اس کام کے لیے فطرت نے ان کو خلق کیا

تھا۔ کوئی چھوٹے سے چھوٹا کام بھی نہیں جس سے مرزا بے پروائی کرتے ہوں یا محض نوکروں پر چھوڑ دیتے ہوں یا نوکروں کو ہدایت کرتے ہوں۔ مرزا کے نوکران کے احکام کی تعمیل میں ایسی مستعدی اور توجہ ظاہر کرتے ہیں کہ اس کا نظیر ہم کسی ہندوستانی ملازموں میں نہیں پاتے۔ جب سب لوگ اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہوجاتے ہیں تو مرزا لیبوریٹری (تجربہ گاہ) میں تشریف لے جاتے ہیں۔ یہاں علم طبیعات اور ٹکنری کے تجربات ہوتے ہیں اور معمولاً دو گھنٹے یہاں رہتے ہیں۔ یہاں صرف ایک آدمی ان کا مددگار ہے۔ دس بجے کھانا کھاتے ہیں۔ کھانا کھانے کے بعد اخبار دیکھتے ہیں۔ گویا یہ گھنٹہ ان کی استراحت کا ہے مگر اس وقت بھی ان کو کسی نے پلنگ پر لیٹے ہوئے نہ دیکھا ہوگا۔ بہت بڑی استراحت یہ ہے کہ کبھی کبھی آرام چوکی پر بیٹھ جاتے ہیں۔ یہ استراحت کا زمانہ صرف آدھ گھنٹہ ہے۔ گیارہ بجے پھر کھیتوں پر جاتے ہیں۔ بارہ بجے تک وہیں رہتے ہیں۔ بارہ بجے ملازمین اور مزدوروں کو دو گھنٹے کی فرصت دے کے خود حدادخانہ یا نجار خانہ چلے جاتے ہیں۔ یہاں دو گھنٹے تک سخت محنت ہوتی ہے۔ اس دو گھنٹے میں مرزا کا ہاتھ کبھی ہتھوڑے یا بسولے یا کسی اور آلۂ حدادی یا نجاری سے خالی نہ دیکھا ہوگا۔ آدھا گھنٹہ باغ کی ضروریات کے متعلق صرف ہوتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی چیز ٹوٹ پھوٹ گئی ہو تو اس کی مرمت کی جاتی ہے یا کوئی نیا آلہ صرف زراعت یا باغ کی ترقی کی غرض سے بنایا جاتا ہے۔ ڈیڑھ گھنٹہ تک علم جرثقیل اور مختلف قسم کی کلوں کے نمونے تیار کرنے میں صرف ہوتے ہیں۔ دو بجے پھر کام پر جاتے ہیں۔ اس وقت زیادہ دیر تک نہیں ٹھہرتے صرف آدھ گھنٹہ میں کل کام کا معائنہ کرکے چلے آتے ہیں۔ تین

بجے سے چار بجے تک ایک گھنٹہ علم نباتات کے متعلق صرف ہوتا ہے۔ چار بجے گھر میں تشریف لے جاتے ہیں۔ یہ وقت اولاد کی تعلیم کی طرف توجہ کرنے کا ہے۔ اگرچہ ہر بچہ کی تعلیم کا جداگانہ اہتمام ہے۔ لڑکیوں پر آتو نوکر ہے۔ لڑکے جو مدرسے میں جانے کے قابل نہیں، وہ گھر پر مولوی صاحب سے پڑھتے ہیں۔ مگر مرزا ہر روز بلاناغہ ہر ایک لڑکی یا لڑکے کا سبق سن کے خود چھٹی دیتے ہیں۔ پانچ بجے سے چھ بجے تک کا وقت تفریح کے لیے معین ہے۔ ان اوقات میں مرزا اکثر سوار بھی ہوتے ہیں۔ کبھی گھوڑے پر، کبھی بائیسکل پر، اور اگر کوئی دوست حسب دلخواہ آگیا تو اس کے ساتھ باغ کی اور زراعت کی سیر کرانے میں مصروف رہتے ہیں۔

اس وقت ایک دن راقم الحروف ان کی زیارت سے مشرف ہوا تھا۔ واقعی جہاں مرزا رہتے ہیں وہ عجیب دلکش مقام ہے۔

پختہ سڑک سے ایک کچا راستہ اس فارم کو جاتا ہے۔ کل رقبہ فارم اور باغ کا ملا کے کوئی پچاس بیگہہ جریبی ہے۔ اس قطعۂ زمین کے چاروں طرف ایک بلند زمین چھوٹی سی پہاڑی کے سلسلے کے مثل ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے گویا رقبہ اس پہاڑی کی گھاٹی ہے۔ اس بلند زمین کے اس طرف ایک بہت بڑی جھیل ہے جس کا ایک حصہ پہاڑی کو کاٹ کے اس طرف نکل آیا ہے۔ باغ اس جھیل کے پانی کی سطح سے کچھ اونچا ہے۔ فارم اور باغ کے چاروں طرف بلند کھائی اور خندق ہے۔ اس کھائی پر ایک قطار گھیکوار کی ہے اور دوسری طرف قطار ببول کے پودوں کی ہے۔ اسی کے شمالی رُخ پر ایک طولانی تختہ باغ کا ہے۔ اس کے ایک قطعہ میں تخمی اور دوسرے میں قلمی آموں کے درخت ہیں۔ پھر ترشادہ کا مختصر سا تختہ

ہے۔ اس سے ملا ہوا پھولوں کا وسیع چمن ہے۔ اس کی بجاوٹ بالکل فطری طور پر مرزا کی طبیعت کی سادگی اور فطرت پسندی کا مذاق اس سے ظاہر ہو سکتا ہے۔ اگر کوئی اس چمن کو دیکھے تو یہ ہرگز نہیں کہہ سکتا کہ یہ درخت یہاں لاکر لگائے گئے ہیں بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ سے آپ اُگے ہوئے ہیں۔ اسی چمن میں ایک کچی نالی پانی کی جھیل سے کاٹ کر لائی گئی ہے۔ اس نالی میں کنکر کٹے ہوئے ہیں جس سے صاف پانی بہتا ہے۔ نالی کے کنارے کنارے دوب اس خوبصورتی سے جمائی گئی ہے کہ اس کی شاخوں نے اکثر پانی کی سطح پر سایہ کر لیا ہے۔ چمن بندی ہموار تختہ پر نہیں ہے۔ زمین پہلے ہموار کھتی مگر اسے اصلی پہاڑہ زمین کا نمونہ بنایا ہے۔ اس میں جا بجا کنکھروں کی پہاڑیاں بنائی گئی ہیں۔ وہ بالکل اصلی معلوم ہوتی ہیں۔ بعض مشہور پہاڑی مقام کی نقل مرزا نے بالکل پیمانے سے ناپ کر بنائی ہے۔ زمین مزروعہ کا قطعہ بہت بڑا اور بالکل ہموار ہے۔ یہ قطعہ زمین کا بارہ مہینے سرسبز رہتا ہے۔ پانی کے برہوں کے کنارے تک بے کار نہیں چھوڑے۔ کوئی نہ کوئی شئے ہر فصل کے موافق ہر جگہ بوئی جاتی ہے۔ مرزا عابد حسین کی سوانح عمری تمام نہیں ہو سکتی جب تک ان کے بعض خطوط جو ہم نے بڑی مشکل سے فراہم کیے ہیں۔ مع ان خطوں کے جن کے جواب میں وہ لکھے گئے ہیں۔ اس کے ساتھ شامل نہ کریں۔ ہم اس کتاب کے ساتھ ان کا فوٹو بھی مزور شائع کرتے مگر اس کی ہمیں اجازت نہیں ہے۔ لیکن ہم اس موقع پر ان کے شمائلِ ظاہری کا ایک نقشہ بذریعہ الفاظ کھینچے دیتے ہیں۔ اس موقع پر ہم مرزا صاحب کو گویا اپنے ناظرین سے بالمشاہدہ تعارف کرائے دیتے ہیں۔

مرزا عابد حسین کا سن شریف اب تقریباً پچاس سال کا ہے مگر وضع احتیاط اور جفاکشی کا یہ نتیجہ ہے کہ وہ بالکل نوجوان معلوم ہوتے ہیں۔ گندمی رنگ ہے، میانہ قد، چوڑی ہڈی، زبردست کلائیاں، مضبوط ہاتھ، ان کو ایک نظر دیکھنے سے ایسا معلوم ہوگا کہ ان کے ہر عضو میں قوت بھری ہوئی ہے۔ جب وہ کسی جسمانی محنت کا ارادہ کرتے ہیں، ان کے شوق اور طرزِ آمادگی سے ایسا ظاہر ہوتا ہے جیسے کوئی بچہ کھیل کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ رفتار ان کی کسی قدر سریع ہے۔ ان کی ہیئت کذائی سے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ان کو بہت کچھ کام کرنا ہے۔ ہم دعوے کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ ان کو کسی نے کسی حالت میں اور کسی وقت میں بے کار نہ دیکھا ہوگا۔

بیٹے کا خط باپ کے نام۔ انٹرنس پاس کرنے کے موقع پر

قبلۂ من۔ مدظلہٗ۔ آداب و تسلیمات کے بعد گذارش یہ ہے کہ خدا کے فضل اور آپ کی دعا سے میں انٹرنس کے امتحان میں کامیاب ہو گیا۔ ایف۔ اے۔ کے لیے میں نے یہ مضامین پسند کیے ہیں۔ اگر آپ اجازت دیں تو انھیں اختیار کروں۔

انگریزی، ریاضی، سائنس، منطق، پولیٹکل، اکانمی، ریاضی، علم حساب، الجبرا، علم ہندسہ مقالہ ششم و یازدہم، علم مثلث، کان سکشن، سائنس،

علمِ طبیعات و کیمسٹری۔

ایف۔ اے۔ کی ریاضی بہت مشکل ہے۔ اکثر طالب علموں نے یہ ضروری کورس نہیں لیا۔ مسلمانوں میں سے صرف میں نے یہ کورس لیا ہے۔

بعض دوستوں نے بہ لحاظ سہولت یہ رائے دی تھی کہ فارسی لے لوں۔ مگر میں نے اس لیے پسند نہ کیا کہ کورس کی کتابوں میں سے اکثر میری دیکھی ہوئی ہیں۔ سال بھر تک اُن ہی کو اُلٹ پھیر کر پڑھنے سے دل اکتا جائے گا۔ دوسرے ان کتابوں میں کوئی ایسی بات نہیں معلوم ہوتی جو سیکھنے کے لایق ہو۔ اگر میں سائنس نہ لیتا تو عربی لیتا۔ مگر جانتا تھا کہ سائنس کے لیے اکثر آپ تاکید فرماتے رہے ہیں۔ اس لیے میں نے اسی کو ترجیح دی۔ اور واقعی مجھ کو سائنس کے پڑھنے کا ذاتی شوق ہے۔ اکثر طالب علموں کا ارادہ لا کلاس میں نام لکھوانے کا ہے۔ میں آج کل منطق کی کتاب کو بجائے خود پڑھ رہا ہوں۔ جو رسالے منطق کے آپ نے گھر پر پڑھا دیے تھے ان سے بہت مدد ملی۔ پولیٹکل اِکانمی ایک نیا مضمون ہے مگر دلچسپی سے خالی نہیں۔

جناب والدہ صاحبہ کو تسلیم اور سب کو درجہ بدرجہ سلام و دُعاء۔

عرض دیگر یہ ہے کہ مالی سے تاکید کر دیجیے گا کہ میرے پھولوں کے ناندوں کی اچھی طرح خبر گیری کرے۔ مجھے خوف ہے کہ وہ بعض اوقات لاپروائی کر جاتا ہے۔

عریضہ فدوی باقر

۱۔ خط عابد حسین کا اپنے بڑے بیٹے کے نام

باقر حسین زاد قدرہٗ۔ بعد دعا کے معلوم ہو کہ مجھے تمہارے انٹرنس پاس کرنے کا حال گزٹ سرکاری سے معلوم ہو گیا تھا اور میں تمہیں اس موقع پر مبارک باد کا خط لکھنے والا تھا کہ تمہارا خط آیا۔ مجھے اس بات کے معلوم ہونے سے بڑی خوشی ہوئی کہ تم نے ابھی سے ایف۔ اے۔ کے امتحان کی تیاری کر دی۔ انتخاب مضامین کے بارے میں اچھا کیا تم نے مجھ سے رائے طلب کر لی۔

انگریزی اور ریاضی بہت ضروری مضمون ہیں۔ ان کے بارے میں تو کچھ کہنا ہی نہیں ہے۔ شاید ایف۔ اے۔ کی ریاضی میں یہ مضامین ہیں۔ علم حساب کامل مع علم حساب نظری۔ جبر و مقابلہ۔ ہندسہ چھٹا مقالہ مع گیارہویں مقالے کے اور اول کے چار مقالوں پر نظر ثانی۔ قطاع مخروطات بحث متناقص جسے بیضوی کہتے ہیں اور مثلثانی یعنی پیرابولہ شاید متزائد کی بحث ایف۔ اے۔ میں چھڑا دی گئی ہے۔ میں بہت خوش ہوتا اگر وہ بھی شامل ہوتی۔ مگر میں تم سے فرمائش کرتا ہوں کہ متزائد (یعنی ہائپر بولہ) کی بحث بجائے خود دیکھ جانا۔ علم مثلث سطحی اور اس کے ساتھ لوگارتم کا استعمال بہت ہی کار آمد ہے۔ ایک کتاب عمدہ چیمبرس میتھ میٹکل ٹیبلس کی میں بطور انعام تم کو روانہ کرتا ہوں۔ اس کتاب سے تم کو ریاضیات کے عمل میں بہت مدد ملے گی۔ اسٹاٹیکس پر خاص توجہ کرنا۔ اس علم کی ملک کو اور قوم کو سخت ضرورت ہے۔ گرمیوں کی تعطیل میں گھر آؤ گے تو کلوں کے نمونے میرے

ہاتھ کے بنائے ہوئے دیکھنا۔ ان کے فائدے اور استعمال کے طریقے میں تمہیں عملی طور سے بتاؤں گا۔

ایک غلط مقولہ آج کل بہت مشہور ہو گیا ہے۔ کیا عجب ہے کہ تم نے بھی سنا ہو کہ مسلمانوں کا دماغ ریاضی کی تحصیل کے ناقابل ہے۔ میں تم کو یقین دلاتا ہوں کہ اس بات کی کوئی اصل نہیں ہے۔ جب تم منطق پڑھو گے تو تم کو معلوم ہو گا کہ یہ مقولہ مجملہ استقرائیات ناقص ہے اور استقرا ناقص علم اور یقین کے لیے مفید نہیں۔ اگلے مسلمانوں نے خاص اسی علم ریاضی میں بہت کچھ کر دکھایا ہے۔ تم کو معلوم ہو کہ اگلے نظام تعلیمی میں پندرہ مقالے اقلیدس کے ابتدائی درس میں اور بتیس مقالے متوسطات کے درس اوسط میں داخل تھے اور اس کے بعد مجسطی پڑھائی جاتی تھی۔ یہ کتاب نظام بطلیموس علم ہیئت کے بیان میں ہے۔ اگرچہ نظام بطلیموس اب غلط ثابت ہوا لیکن یہی کتاب ایک زمانے میں تمام علمائے ہیئت کی مسند الیہ تھی اور مجسطی پہلے پہل عربی سے لاطینی زبان میں ترجمہ ہوئی جس سے تمام یورپ نے علم ہیئت سیکھا اور مجسطی کے مثل اور کتابیں بھی عربی سے یورپی زبانوں میں ترجمہ ہوئی ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ مسلمان علم ہیئت میں بھی اہل یورپ کے استاد ہیں اور اس سے علمائے یورپ کو انکار نہیں ہو سکتا۔ یہ کتابیں جن کا ذکر کیا گیا ہے خود میرے کتب خانہ میں موجود ہیں اور ام۔ اے۔ کورس سے کسی طرح کم پایہ نہیں ہیں۔ فارسی ایف۔ اے۔ میں نہ لینا تمہارے لیے بہت مناسب بلکہ ضروری تھا۔ یہ جو تم نے لکھا ہے کہ اگر میں سائنس نہ لیتا تو عربی ضرور لیتا۔ جب تم نے خود ہی سائنس کو ترجیح دے کر اختیار کیا تو اب مجھے کچھ کہنا نہیں ہے۔ میں ہمیشہ تم کو سمجھایا کیا ہوں کہ مدرسوں کی پڑھائی اور